tsurdu.blogspot.com

عید کی خوشیاں

محبوب الٰہی مخمور

MEHBOOB ELAHI MAKHMOOR

محمود صاحب جیسے ہی اپنے آفس سے نکلے تو ڈرائیور نے آگے بڑھ کر گاڑی کا دروازہ کھول دیا اور محمود صاحب آرام سے پچھلی نشست پر بریف کیس رکھ کر بیٹھ گئے۔ گاڑی معمول کی رفتار

سے آگے بڑھنے لگی۔ ایک موڑ کاٹتے ہوئے محمود صاحب نے ڈرائیور سے کہا "فضل دین ذرا گاڑی تیز چلانا کیونکہ آج ہمارے ننھے بیٹے عارف کی سالگرہ ہے۔ اس کی سالگرہ سے قبل ہم کو گھر پہنچنا ہے" اور ڈرائیور نے اسپیڈ بڑھا دی۔ فضل دین کا شمار محمود صاحب کے پرانے ملازموں میں ہوتا تھا۔ "ارے میں یہ کیسے بھول گیا؟" محمود صاحب یک لخت بولے "کیا بات ہے صاحب!" ڈرائیور نے پوچھا۔ "فضل! مجھے عارف کو سالگرہ کا تحفہ بھی دینا ہے اور میں نے اب تک تحفہ خریدا ہی نہیں" محمود صاحب مسکراتے ہوئے بولے۔ گاڑی کا رخ خود بخود صدر کی جانب ہو گیا۔ کیونکہ فضل دین کو معلوم تھا کہ محمود صاحب کس بازار سے تحائف خریدتے ہیں۔

صدر سے محمود صاحب نے عارف کے لیے ایک قیمتی گھڑی خریدی اور اس کو پیک کرا کے روانہ ہوئے۔

راستے میں روڈ کے کنارے ایک بوڑھے شخص کو جاتے دیکھ کر محمود صاحب نے اچانک گاڑی روکنے کے لیے کہا لیکن گاڑی کافی آگے آ چکی تھی۔ محمود صاحب کی ہدایت پر ڈرائیور گاڑی کو اسی مقام پر لایا۔ محمود صاحب بے تابی کے عالم میں گاڑی سے نکل کر اس شخص کو تلاش کرنے لگے۔ مگر وہ کہیں نظر نہ آیا ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے انہوں نے کھلی آنکھوں سے سپنا دیکھا ہو۔

"کیا بات ہے محمود صاحب؟" ڈرائیور نے پوچھا۔ "کوئی بات

tsurdu.blogspot.com

tsurdu.blogspot.com

نہیں' وہ ٹال گئے۔

گاڑی جیسے ہی مین گیٹ سے کوٹھی کے اندر داخل ہوئی تو عارف دوڑتا ہوا گاڑی کے پاس آیا اور بولا "ڈیڈی میں آپ سے نہیں بولوں گا آپ نے اتنی دیر لگا دی۔ مہمان کب سے آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ آنٹی رحیمہ' ممانی شاہدہ' ماموں زکا اور پھوپھی جان سب لوگ تحفے لائے ہیں۔ جلدی چلیں"۔ "اور میرا تحفہ کہاں ہے؟" عارف نے رک کر ایک دم پوچھا محمود صاحب نے گھڑی کا پیکٹ نکال کر عارف کے ہاتھ پر رکھ دیا اور پھر وہ ڈرائنگ روم میں آ گئے جہاں تمام افراد جمع تھے۔ عارف نے کیک کاٹا اور سب نے سالگرہ کا گیت مل کر گایا۔

مگر محمود صاحب کا ذہن اسی بوڑھے کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ کاش وہ انہیں مل جاتا تو وہ اس کو بڑے احترام سے گھر لاتے۔ مگر شومئی قسمت کہ وہ مل ہی نہ سکا۔

عارف نے محمود صاحب کو سوچوں میں گم دیکھا تو کیک کا ٹکڑا لے کر ان کے پاس آ گیا اور بولا۔

"ڈیڈی کیا میرا تحفہ بہت مہنگا ہے اور آپ کو زیادہ پیسے خرچ کرنا پڑ گئے ہیں جو آپ پریشان ہیں؟"۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے بیٹے" محمود صاحب نے کہا۔ "نہیں ڈیڈی ضرور آپ مجھ سے کوئی بات چھپا رہے ہیں' عارف نے ضد کرتے ہوئے کہا۔ اتنے میں عارف کی امی رخشندہ بیگم بھی آ گئیں اور انہوں نے کہا "کیا باتیں ہو رہی ہیں۔ چلو عارف اپنے دوستوں کو

سنبھالو"۔

سالگرہ بڑی دھوم دھام سے منائی گئی اور سب لوگ آہستہ آہستہ اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہو گئے۔

☆☆☆☆

محمود صاحب کا شمار شہر کے معززین لوگوں میں ہوتا تھا اور عادت و اخلاق کے اعتبار سے وہ اپنے علاقے کی مشہور شخصیت تھے۔ آفس میں محمود صاحب بڑے عہدے پر فائز تھے مگر چھوٹے اسٹاف سے محبت اور اخلاص سے پیش آتے تھے یہی وجہ تھی کہ سب ان کی بے حد عزت کرتے تھے۔

دوسرے دن اتوار تھا اس لیے محمود صاحب گھر پر ہی تھے۔ رات کی تھکن ان کے چہرے سے عیاں تھی۔ سرخ آنکھیں ظاہر کر رہی تھیں کہ محمود صاحب پوری رات جاگتے رہے ہیں۔

ناشتے کی میز پر جب تینوں یعنی عارف' محمود صاحب اور رخشندہ بیگم جمع ہوئے تو بیگم محمود نے پوچھا کہ "آپ کی آنکھیں سرخ ہو رہی ہیں۔ کیا بات ہے؟"۔

"رات بھر جاگتا رہا ہوں۔ اس لیے آنکھیں سرخ ہو رہی ہیں' محمود صاحب بولے۔

"امی جان۔ ڈیڈی کل سے پریشان ہیں" عارف نے کہا۔

"کیا کوئی خاص بات ہے؟" رخشندہ بیگم نے پریشان ہوتے ہوئے کہا۔

"کل میں نے ایک بوڑھے شخص کو دیکھا تھا" محمود صاحب

tsurdu.blogspot.com

tsurdu.blogspot.com

سانس لینے کے لیے رکے "مگر بوڑھے کو دیکھنے سے پریشانی کا کیا تعلق۔ دنیا میں ہزاروں لاکھوں بڑی عمر کے لوگ موجود ہیں" رخشندہ بیگم بولیں۔

"بات دراصل یہ ہے کہ وہ بوڑھا ایک ایسا فرشتہ تھا جس نے میری زندگی بدل دی اور آج اسی کی وجہ سے میں اعلیٰ عہدے پر فائز ہوں" محمود صاحب نے کہا۔ "آپ کی زندگی بدل دی تو کیا نوکری اسی کی سفارش پر ملی ہے" رخشندہ بیگم نے قدرے حیرانی سے کہا۔ "سفارش کا تو میں خود مخالف ہوں میں کیوں کسی کی سفارش قبول کروں گا" محمود صاحب بولے۔ "پھر کیا بات ہے آپ تو پہیلیاں بجھوا رہے ہیں" رخشندہ بیگم بولیں "میں تم کو اور عارف کو اصل واقعہ بتاتا ہوں" محمود صاحب نے کہا۔

"قصہ دراصل یہ ہے کہ میں چھوٹا تھا تو بے حد شریر تھا میرا پڑھنے لکھنے میں بالکل دل نہیں لگتا تھا۔ میں اکثر اسکول جانے سے جی چراتا۔ جس راستے سے میں اسکول جاتا تھا اس راستے میں ایک ادھیڑ عمر کا شخص پھل بیچا کرتا تھا۔ میں روزانہ آٹھ آنے یا ایک روپے کے پھل خرید کر کھاتا اور نزدیکی باغ میں بیٹھ جاتا تھا" محمود صاحب نے تھوڑا توقف کیا پھر بولے۔

ایک دن میں نے گھر سے دو روپے لیے اور امرود اور سنگترے خرید کر کھانے لگا اس پھل فروش نے مجھے عجیب نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا "بیٹا! ایک بات کہوں برا تو نہ مانو گے" میں نے امرود کھاتے ہوئے کہا "کیا بات ہے"۔

وہ بولا "بیٹا دیکھو یہ اچھی بات نہیں ہے تم روزانہ کتابیں لے کر یہاں آجاتے ہو اور اسکول نہیں جاتے۔ یہ بہت بری بات ہے۔ پڑھ لکھ لو۔ ورنہ پچھتاؤ گے"۔ پھل فروش کی بات مجھے بہت بری لگی۔ میں نے غصے سے کہا "تم کون ہوتے ہو مجھے یہ باتیں سمجھانے والے؟" پھر پھل فروش بولا۔ "بیٹا اس میں غصے ہونے کی بات نہیں ہے۔ لو آج میں تم کو ایک ایسے لڑکے کا واقعہ سناتا ہوں جو تمہاری طرح پڑھنے سے بھاگتا تھا"۔

"وہ ایک تاجر کا لڑکا تھا تاجر نے لاکھ چاہا کہ وہ پڑھ لکھ لے لیکن وہ اتنا شریر تھا کہ کسی کی سنتا ہی نہیں تھا۔ اس کی مسلسل غیر حاضریوں کی وجہ سے اسکول سے اس کا نام خارج کر دیا گیا۔ اب تو اس کو اور بھی آزادی مل گئی۔ اس نے سرے سے اسکول جانا ہی چھوڑ دیا اور برے لڑکوں کے ساتھ رہنے لگا۔ باپ کو جب اس کی اس حالت کا پتہ چلا تو اسے بہت افسوس ہوا اور وہ صدمے کی تاب نہ لا کر انتقال کر گیا۔ باپ کے مرنے کے بعد اس نے باپ کی جمع پونجی بڑی بے دردی سے لٹائی اور اپنی ماں کی ایک نہ سنی۔ بالآخر ماں بھی ایک دن دنیا سے رخصت ہو گئی"۔

یہ واقعہ سناتے ہوئے پھل فروش کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ بولا "بیٹا! اس لڑکے نے اپنی جہالت سے سب کچھ لٹا دیا۔ اب اس کے پاس سر چھپانے کی کوئی جگہ نہ رہی۔ لالچی اور مطلبی دوستوں نے بھی اس کا ساتھ چھوڑ دیا۔ کپڑے پھٹ گئے اور فاقوں تک نوبت آ گئی بعد میں اس کی آنکھیں کھل گئیں وہ بہت

tsurdu.blogspot.com

tsurdu.blogspot.com

پچھتایا لیکن اب اس کے پچھتانے سے کیا ہوتا تھا اگر وہ ماں باپ کا کہنا مان کر پڑھ لیتا تو یہ دن نہ دیکھنا پڑتا۔ عالیشان مکان میں رہنے والا ایک ٹوٹی پھوٹی جھونپڑی میں رہتا ہے۔ کبھی جس کے گھر کئی نوکر تھے وہ آج خود نوکر ہے اور ایک خوانچہ لگا کر اپنا پیٹ پال رہا ہے۔ جانتے ہو وہ کون ہے؟" پھل فروش نے سوال کیا۔ "نہیں" میں نے کہا۔ پھر پھل فروش نے روتے ہوئے کہا "بیٹا! وہ بدنصیب میں ہوں"۔

پھل فروش نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔ "جس نے باپ کا کہنا نہ مانا آج وہ تمہارے سامنے اس حال میں ہے۔ خدا کے لیے پڑھنے سے جی نہ چراؤ کچھ پڑھ لکھ لو۔ ورنہ تمہارا حال بھی میری طرح ہوگا"۔

پھل فروش کی باتوں کا اثر میرے دل پر ہوا اور میں نے اس کی نصیحت کی وجہ سے پڑھنا شروع کر دیا۔ آج میں ایک اعلیٰ عہدے پر فائز ہوں مگر میں آج تک اس پھل فروش کو نہ بھول سکا"۔

"تو آپ کو وہی پھل فروش نظر آئے تھے" رخشندہ بیگم نے کہا۔ "ہاں! مگر اب تو وہ بوڑھا ہو چکا ہے" محمود صاحب بولے "ٹھیک ہے آپ ان کو اسی علاقے میں تلاش کریں اور اپنے محسن کا شکریہ تو ضرور ادا کریں" رخشندہ بیگم عقیدت کے جذبات کے ساتھ بولیں۔ "ڈیڈی آپ ان سے مل کر کیا کریں گے؟" عارف نے کہا۔ "عارف بیٹا! میری دلی خواہش ہے کہ میں ان کے کسی کام آسکوں۔ تم کو معلوم ہے کہ وہ پہلے پھل بیچ کر گزارہ

کرتے تھے اب پتا نہیں ان کا کیا حال ہے!" محمود صاحب بولے۔

ہر روز صبح و شام محمود صاحب اور عارف گاڑی میں اسی علاقے کا چکر لگاتے رہتے کہ شاید بڑے میاں سے ملاقات ہو جائے مگر ان سے ملاقات نہ ہو سکی۔

رمضان المبارک کا مہینہ شروع ہو چکا تھا محمود صاحب اور رخشندہ بیگم پورے روزے رکھ رہے تھے اور عارف کی یہ دلی خواہش تھی کہ وہ بھی روزے رکھے جبکہ محمود صاحب اس کی مخالفت کر رہے تھے کیونکہ عارف کی عمر ابھی کم تھی اور رمضان المبارک کا مہینہ آہستہ آہستہ گزرنے لگا مگر عارف کا اصرار بڑھتا گیا کہ میں روزہ ضرور رکھوں گا۔ آخر عارف کے اصرار پر انہوں نے آخری روزہ رکھنے کی اجازت دے دی۔ عارف نے خوشی خوشی سحری کی اور نماز ادا کی۔ اس طرح عارف سارا دن روزے سے رہا مگر زبان سے اف نہ کی۔ شام کو افطار کے لیے محمود صاحب فروٹ خریدنے بازار گئے۔ ایک دکان سے پھل وغیرہ خریدے اور جب کاؤنٹر پر بیٹھے شخص کے پاس پہنچے تو ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی کیونکہ یہ وہی بڑے میاں تھے جن کی نصیحت کی بدولت ان کی زندگی بدل گئی تھی محمود صاحب نے آگے بڑھ کر ان کو گلے سے لگا لیا۔ مگر بڑے میاں حیران و پریشان محمود صاحب کو دیکھ رہے تھے۔

"آپ نے مجھے پہچانا" محمود صاحب بولے۔

"نہیں بالکل نہیں" بڑے میاں نے کہا۔

tsurdu.blogspot.com

tsurdu.blogspot.com

"میں محمود ہوں جو آپ سے کئی سال قبل پھل خریدتا تھا اور اسکول جانے کے بجائے کھیل کود میں اپنا وقت ضائع کرتا تھا۔ اس زمانے میں آپ کالونی باغ کے کنارے بیٹھتے تھے۔ ایک دن آپ نے مجھے اپنے بچپن کی کہانی سنائی تھی اور نصیحت کی تھی۔ اس نصیحت کی بدولت میں نے دل لگا کر محنت کی اور آج ایک کمپنی میں جنرل منیجر ہوں۔ یہ سب آپ کی وجہ سے ہوا۔ آپ کا گھر کہاں ہے۔ میری بیوی اور بیٹا آپ سے ملنا چاہتے ہیں" محمود صاحب نے ایک ہی سانس میں کہہ دیا۔

"ہاں! ہاں! مجھے یاد آ گیا۔ بڑے میاں نے کہا اور اپنا نام نثار احمد بتایا پھر اپنے گھر کا پتہ دے دیا۔ محمود صاحب نے گھر چلنے کے لیے اصرار کیا مگر انہوں نے منع کر دیا۔ کل دوپہر کے بعد آ جاؤ بیٹا! میں دوپہر میں گھر پر ہوتا ہوں۔ ویسے بیٹا! میں نے تم پر کوئی احسان نہیں کیا۔ کسی کو غلط راہ سے بچانا دراصل بڑوں کا فرض ہوتا ہے" بڑے میاں نے کہا۔

محمود صاحب خوشی خوشی گھر واپس آئے اور فوراً رخشندہ بیگم اور عارف کو بڑے میاں سے ملاقات کی پوری کہانی سنائی۔ افطار کے بعد ریڈیو اور ٹی وی پر کل عید ہونے اور چاند نظر آنے کی نوید ملی۔ عارف کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ لو ڈیڈی کل تو عید ہے اس لیے آپ بڑے میاں سے ملنے کا ارادہ ملتوی کر دیں۔ کیونکہ آپ نے عید کے روز مجھے پھوپھی جان کے گھر لے جانے کا کہا تھا۔ ان سے پھر کبھی مل لیں گے" عارف نے کہا۔

"عارف بیٹے! انسان کو چاہیے کہ جو وعدہ کرے اس کو پورا کرے کیونکہ ہم مسلمان ہیں اور ہمارے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ کا بھی یہ ارشاد ہے کہ "ایفائے عہد کرو" یعنی وعدہ کرو تو اسے ضرور پورا کرو۔ اس لیے میں کل نثار صاحب سے ملنے ضرور جاؤں گا اور تم ان کو بڑے میاں کیوں کہہ رہے ہو نثار صاحب تمہارے دادا کی جگہ ہیں اور تم بھی میرے ساتھ چلنا چاہو تو چل سکتے ہو" محمود صاحب نے کہا۔

محمود صاحب، عارف اور رخشندہ بیگم کو گاڑی میں لے کر چاند رات کو بازار گئے جہاں انہوں نے نثار صاحب کے لیے بھی کپڑے خریدے۔

عید کی صبح رخشندہ بیگم سب سے پہلے بیدار ہوئیں اور انہوں نے کھانے کا انتظام کیا اور سویاں بنائیں عارف اور محمود صاحب کو جگایا کہ عید کی نماز کی بھی تیاری کرنی ہے عارف اور محمود صاحب نہا کر تیار ہوئے اور عید گاہ کی جانب چل دیے راستے میں وہ لوگ مستحق لوگوں میں پیسے بانٹتے گئے۔

عید کی نماز کے بعد یہ لوگ محلے والوں سے گلے ملے۔ عارف نے محمود صاحب سے عیدی وصول کی۔ گھر آ کر انہوں نے رخشندہ بیگم سے کہا کہ وہ بھی تیار ہو جائیں کیونکہ نثار صاحب کے گھر چلنا ہے۔

جب گاڑی پرانی بستی میں داخل ہوئی تو نثار صاحب دور سے ہی نظر آ گئے جو بچوں میں عیدی اور مٹھائی تقسیم کر رہے تھے۔

tsurdu.blogspot.com

tsurdu.blogspot.com

محمود صاحب گاڑی سے اتر کر ان سے گلے ملے اور عارف اور رخشندہ بیگم کا تعارف کرایا۔ بڑے میاں ان کو اپنے مکان میں لے گئے وہاں پر کوئی نہ تھا "آپ کے گھر والے کہیں گئے ہوئے ہیں؟" محمود صاحب نے پوچھا۔ "میری بیوی کو مرے ہوئے ایک طویل عرصہ گزر چکا ہے"۔ نثار صاحب نے دکھ بھرے لہجے میں کہا۔ "تو پھر دادا جان آپ ہمارے ساتھ ہمارے گھر چلیں" عارف نے کہا۔

"نہیں بیٹا! میں کسی پر بوجھ نہیں بننا چاہتا" بڑے میاں بولے۔

"نثار صاحب آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔ آپ اور بوجھ نہیں گے۔ میرے کاندھوں پر آپ کا یہ احسان بہت بڑا ہے کہ آپ نے مجھے سیدھی راہ دکھائی اور میرا مستقبل سنوارا۔ آپ ضرور ہمارے ساتھ چلیں گے اور یہ ہے میری طرف سے عید کا تحفہ" محمود صاحب نے شلوار قمیص کا سوٹ نثار صاحب کو دیتے ہوئے کہا"

مگر اس کی کیا ضرورت تھی" نثار صاحب بولے۔

"کیا کوئی بیٹا اپنے باپ کو کوئی چیز ضرورت پر ہی دیتا ہے یہ آپ کا حق ہے میں آپ کے بیٹے کے برابر ہوں" محمود صاحب بولے۔

"آپ کو ہمارے ساتھ ضرور چلنا ہوگا دادا جان!" عارف نے ضد کرتے ہوئے کہا۔ "دادا جان!" بڑے میاں نے حیرت سے کہا۔ "ہاں دادا جان! آج صبح ہی ابا جان کہہ رہے تھے کہ آپ ہمارے دادا جان ہیں" عارف نے کہا۔

بڑے میاں کا چہرہ خوشی سے تمتمانے لگا اور یہ لوگ نثار صاحب کو زبردستی گاڑی میں بٹھا کر لے آئے جہاں عید کی

خوشیاں نثار صاحب کی بدولت دوبالا ہو گئیں اور انہوں نے عارف کو گود میں اٹھا کر پیار کرتے ہوئے کہا کہ خدا نے مجھے اچانک عید کے روز اتنی خوشیاں دے دیں جو میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھیں۔ خداوند تعالیٰ واقعی بڑا رحیم و کریم ہے اور جس کو جیسے چاہے نوازدے اس کے انداز نرالے ہیں بس بندے کو صبر کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہیے"۔ اتنا کہہ کر انہوں نے فرطِ جذبات سے عارف کو گلے لگا لیا محمود صاحب اور رخشندہ یہ منظر دیکھ کر مسکرانے لگے۔

tsurdu.blogspot.com